AL-MISBAH
RESEARCH JOURNAL

Al-Misbah, **Vol. 3, No. 3**(2023),28-41
https://almisbah.info/

جدید اُردو ناقدین اور شمس الرحمٰن فاروقی

MODERN URDU CRITICS AND SHAMSUR REHMAN

*Saif Ur Rehman
**Dr. Imtiaz Ahmad
***Sheraz Ahmad

ABSTRACT

"Urdu literature and especially Urdu criticism is indebted to Shamsur Rehman Farooqi for his invaluable services, which cannot be denied. His view of critical criticism is very deep and very broad, especially his view of Western critics and Western literature is very deep. That's why he kept in view every experience and point of style, phonetics and linguistics, from which there was any idea of interpretation and understanding of literature. The literary work of Shamsur Rahman Farooqi is considered as one of the best literary works in modern times. His deep knowledge of the cultural context sets his criticism apart from others in Urdu literature. The purpose of this essay is to analyze Farooqi's critical style and how he evolved literary criticism in Urdu literature.He thought freely about the problems of poetry and literature and raised questions about independent ideology and thought. He raised such questions which may never have occurred in the creator's mind and then gave their answers in the form of arguments. He made it clear that he not only knows the art of raising questions but also the skill of answering them. Farooqi's erudition and breadth of study are amazingly perfect. His analysis and use of techniques were not so beautiful. Would not have created a distinct and unique style that has the full capacity to analyze the parts of every reality and create a new mixture by combining different elements of reality.

Keywords: Shamsur Rahman Faruqi, criticism, analyze Faruqi's critical style, literary criticism

شمس الرحمٰن فاروقی (۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء-۲۵ دسمبر ۲۰۲۰ء) اُردو ادب کے نامور شاہکار نقاد تھے۔ وہ اپنے دور کے سب سے زیادہ اُردو شعر و ادب پر کام کرنے والے ادیب سمجھے جاتے ہیں۔ زیادہ لکھنا یا تحقیق کرنا بھی کوئی مشکل کام نہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ جو لکھیں یا تحقیق کریں اس میں اتنی جان ہو کہ کوئی اس میں سے ایک سطر کو بھی خارج نہ کر سکے۔ یہاں اگر میں یوں کہوں تو غلط نہ ہو گا کہ شمس الرحمٰن فاروقی جیسے عظیم نقاد بنا نہیں کرتے بلکہ پیدا ہوا کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط نہ ہو گا کہ انسان کی زندگی میں کچھ ایسے حالات و واقعات جنم لیتے ہیں جو انسان کی زندگی میں مکمل طور پر تبدیلی رونما کر دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں انسان کی اپنی محنت کا بھی بہت اہم کردار ہوتا ہے۔

---

* M.Phil Scholar, Department of Urdu Institute of southern Punjab Multan.
** Senior Head master BS.18 Govt, High School Juggowala Jalalpur Peer Wala District Multan.
***M.Phil Scholar, Department of Urdu Institute of southern Punjab Multan.

ISSN-Online: 2790-8828
ISSN-Print: 2790-881X

شمس الرحمٰن فاروقی کی ادبی زندگی کی باقاعدہ ابتداء تخلیق کار کی حیثیت سے ہوئی لیکن پھر یہی تخلیق کار ایک تنقید نگار کی صورت میں منظر عام پر آیا۔ جس پر اُردو تنقید ہی نہیں بلکہ پورا اُردو ادب ناز کرتا ہے ۔ اُن کی تنقیدی مہارت اتنی لطف اندوز کرتی ہے کہ قاری عبارت کو پڑھنے کے بعد اسکا تجزیہ کرتے ہوئے بھی عبارت سے لطف اندوز ہوتا ہے اور عبارت کے مضمون کو سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔

فاروقی کا سب سے بڑا وصف ان کا استدلالی انداز گفتگو ہے۔ اپنے دلائل کے ذریعے وہ کسی بھی تحریر یا فن پارے میں منطقی ربط پیدا کرنے کا ہنر رکھتے ہیں۔ وہ کبھی بھی خلد میں باتیں نہیں کرتے بلکہ مکمل اور ٹھوس ثبوتوں کے ساتھ اپنے دلائل کو بیان کرتے ہیں۔ ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے منطقی انداز فکر اپناتے ہیں۔ ان کا وصف یہ بھی ہے کہ ادب کے دائرے میں رہتے ہیں اور ادب کی ہی باتیں کرتے ہیں۔ وہ اپنے دلائل کو مثالوں اور دلیلوں کے ذریعے اس طرح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آنکھیں بند کر کے دماغ اس کو قبول کر لیتا ہے۔ ان کے بارے میں یہ تاثر عام ہے کہ وہ مغربی ناقدین سے متاثر ہیں۔ کسی حد تک یہ بات درست ہے مگر وہ کبھی کسی نقاد کی اندھی تقلید کرنے کے حق میں نہیں۔ انہوں نے مغرب کے جدید رجحانات، اسلوبیات ساختیات اور ہیت وغیرہ کا مطالعہ ہی نہیں کیا بلکہ اس سے فائدہ بھی اُٹھایا۔ مغربی تنقید کے ساتھ ساتھ وہ مشرقی تنقید کے بھی دلدادہ ہیں۔

بنیادی طور پر تنقید ہمیں معاشرے میں جینے، اُٹھنے بیٹھنے اور بول چال کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ جس سے ہمارے اندر موجود اخلاقی جرات اور اس کے خامیوں کو درست انداز میں یقین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ تمیز اور یہ جرات ہمیں تنقید سکھاتی ہے۔ ان نقادوں کا کام بھی اس جرات اور تمیز کو درست انداز میں آگے بڑھانا ہے۔ اس سلسلہ میں کلیم الدین احمد ان لفظوں میں لکھتے ہیں:

> "کوئی کہتا ہے کی فوجی تربیت اَدبی تربیت سے زیادہ اچھی ہے۔ سپاہی کو سخت تربیت دی جاتی ہے۔ اسے ہمیشہ جسمانی و دماغی طور پر چاق و چوبند ہونا ہوتا ہے کیونکہ اس کی پہلی غلطی آخری غلطی ہو سکتی ہے۔ لیکن اَدبی تربیت اتنی سخت نہیں کسی نے اگر ملٹن کو شیکسپیئر پر ترجیح دی تو کوئی یہ اہم غلطی نہ ہوگی اب اسے کیا کہیے؟ سپاہی کی جان جاتی ہے، نقاد کے دماغ کا خون ہوتا ہے۔ وہ سوجھ بوجھ والا انسان باقی نہیں رہتا۔[1]

یہی صورت حال درست ثابت ہوتی ہے کہ نقاد کس قدر محنت ومشقت سے کام لیتا ہے۔ ہم اگر شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقید نگاری کا جائزہ لیا جائے تو مطالعے کے بعد ہم اس مقام پر پہنچیں گے کہ ان کے نقادانہ افکار پر اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔ مگر ان کا اظہار بیان مختصر اور جامع ہے۔ فاروقی کی ساری تنقید پر رائے زنی کی جائے تو وہیں اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ کسی بھی طور پر ان کے نقادانہ افکار باقی نہ رہ جائیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی کی ساری تنقید موضوعاتی اعتبار سے تقسیم نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنے سارے مضامین میں جدید اسلوب اور مختصر پن اپنایا۔ فاروقی اپنے طور پر ایک مکمل اسلوب تھے۔ ان کا اسلوبِ بیاں ایک الگ دبستان کا درجہ رکھتا تھا۔ ناول نگار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ دیگر اصناف سخن پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ یہی چیز ان کے ہاں خوبصورت ہے کہ وہ ہر چیز کا غیر جانبدارانہ اظہار کرتے ہیں:

> "فاروقی کے تنقیدی رویئے کی خصوصیت ہے کہ وہ فنی اقدار کی نشاندہی زیادہ تر اسلوبیات کی روشنی میں اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کرتے ہیں کہ اسلوبیات کے مطالعہ میں اقدار کی اہمیت کم نہ ہو جائے۔ وہ اَدبی فن پارہ کو زندگی کی جزوئیات میں بانٹ کر دیکھنے کے قائل نہیں۔ ان کی یہاں فن پارہ ایک مکمل اکائی کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ زبان اور معنی کو الگ الگ

خانے میں نہیں رکھتے ہیں۔ بلکہ اصل میں زبان اور اسلوب کی ہم آہنگی کے ذریعے سے منفی
تک پہنچنے کی سعی کو تنقیدی رویے میں مناسب سمجھتے ہیں۔ ان کی یہی کوشش ان کو اسلوبیاتی
طریقہ تنقید تک لے جاتی ہے۔"۲

شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقید نگاری کا اولین مضمون ہے جس میں حالی کو نقاش اول کے طور پر منتخب کیا گیا ہے۔ حالی کو اُردو تنقید کے نقاش اوّل کے طور پر یا پھر ٹھہرے پانی میں کنکر کے طور پر قرار دیا جاتا ہے۔ ان پر اعتراضات بھی اُٹھائے گئے کہ انھوں نے یہ تنقیدی نظریات دوسرے مغربی نقادوں سے مستعار لیے ہیں۔ حالی نے بہت سی غلط باتیں کہی ہیں مگر وہ غلط باتیں مؤثر اور مقبول ثابت ہوئیں۔ الطاف حسین حالی نے اُردو کی تذکراتی تنقید کو ایک نئی سمت دی مگر ان تذکروں کی تنقید اور حالی کی تنقید نے اُردو میں کافی نئی چیزوں کو جگہ دی۔ جن لوگوں نے تذکروں کی تنقید کو اہمیت نہ دی انہوں نے حالی کی بھی تنقیدی افکاروں کو کوئی خاطر خواہ توجہ نہ دی ہے۔ مگر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے بطور شاعر عملی تنقید کے نمونے بھی پیش کیے۔ عملی اور نظریاتی تنقید میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مگر پھر بھی حالی کا سخت محاسبہ کیا گیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے حالی کی تنقید کے اُوپر "انداز گفتگو کیا ہے؟" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کے اندر فاروقی کے حالی کے بارے میں نظریات وافکار کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ اس کتاب کے اندر فاروقی نے جن چیزوں پر زیادہ توجہ دی۔ وہ سادگی، اصلیت اور جوش ہے۔ ان تین افکار کے بارے میں بہت زیادہ بات کی گئی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی حالی کے افکار کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حالی نے نئی شاعری کی عمارت جن بنیادوں پر استوار کی ہے۔ انہیں تخیل، سادگی اور
اصلیت کا نام دیا جاسکتا ہے۔"۳

شمس الرحمٰن فاروقی نے اصل معنوں میں حالی کی نبض پکڑی ہے کہ ان کا لکھنے کا مدعاء مقصد پکڑا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے جن مغربی نقادوں کا حوالہ دیا ہے ان میں ملٹن اور کولرج ہیں۔ ملٹن کے جن نظریات کو شمس الرحمٰن فاروقی نے بیان کیا ہے اور ان کو حالی کی تنقید میں تلاش کیا ہے۔ ان میں فن خطابت یعنی سادگی کا عمل دخل بہت زیادہ ہے۔ جبکہ کولرج کے افکار بھی ان کے ہاں نظر آتے ہیں۔ حالی نے جن افکار کو نئے لباس میں اُردو اَدب کے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے وہ پچاس سال بعد بھی ہمارے معیاری قواعدی اسباب بن گئے۔ کوئی نیا ناقد اپنے افکار اور نظریات سے متاثر کرتا ہوا نظر نہ آیا۔ فاروقی حالی کے اس نظریہ سے کہ ان کے افکار نہ مغربی ہیں نہ جانتے ہیں بلکہ وہ حالی کے اپنے نظریات کو حقیقت سے قریب تر گردانتے ہیں۔ فاروقی نے حالی کی ان تین باتوں یعنی سادگی، اصلیت اور جوش کو درست گردانا ہے۔ ان کی تنقید کو خوبصورت افکار سے تشبیہ دی ہے۔ ملٹن اور کولرج کے نزدیک جن باتوں کو اہمیت دی گئی ہے وہی باتیں حالی کی تنقید کے اندر بھی واضح انداز میں ملتی ہے۔ اصلیت کے بارے میں بھی فاروقی کے وہی خیال ہیں جو کہ سادگی کے بارے میں ہیں۔ محمد منصور عالم شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقیدی خیالات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فاروقی حالی کے ایک اقتباس کو "آب زر سے لکھنے کے قابل" بتاتے ہیں لیکن افسوس کے
ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ بیشتر بیانات حالی کے خیال کی نفی کرتے ہیں۔ اس سے حالی کی تنقیدی
بڑائی میں فرق نہیں آتا۔ اصل یہ ہے کہ یورپی محققوں کا حوالہ تو اس وقت مصلحتاً دیا۔ وہ اپنے
ماخذ سے زیادہ آشنا بھی نہ تھے اور ماخذ کے معنوی تناظر کو جن کی شکل حالی تک آتے آتے

بدل گئی تھی سمجھ بھی نہ رہے تھے مگر ان کو انھوں نے ایک سہارے اور محرک کے طور پر
استعمال کیا اور اپنی فکری بصیرت سے ان میں تغیرات پیدا کر دیئے۔ ۴

فراق گورکھپوری ہمیشہ سے ایک اچھے شاعر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ مگر ان کی شعری صلاحیتوں کے بارے میں چند ناقدین نے ملی جلی آراء دیں ہیں۔ فاروقی نے بھی ان کے اُوپر اعتراضات اُٹھائے ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے ان کی شاعری پر چند نکات واضح کیے ہیں کہ جن سے وہ اپنے پڑھنے والوں کو کامیاب شاعر کے طور پر نظر آتے ہیں۔ مگر شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاں فراق گورکھپوری روایت کے حامل شاعر کے طور پر نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں نئی چیزوں کا تسلسل اور روانی کس قدر کم ہے۔ یہی وجہ ہے شمس الرحمٰن فاروقی اِن کے بارے میں متضاد آرا کا تصور رکھتے ہیں۔ اپنی کتاب کے اندر انکے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ:

فراق نے ۱۹۵۰ء کے آس پاس نمایاں ہونیوالی نسل کو متاثر ضرور کیا۔ اس لیے وہ اہم شاعر
یقیناً ہیں۔" ۵ مگر ان کے ہاں تسلسل نہ ہے۔ اگلے ہی لمحے وہ اس اہمیت کو کوسوں دور

لیکر جاتے ہیں اور وہ اس کے بارے میں ان الفاظ کا استعمال کرتے نظر آتے ہیں:

"فراق جیسا معمولی شاعر ہمارے نقادوں کے لیے Challenge بن گیا۔" ٦

شمس الرحمٰن فاروقی ایک مکمل نقاد کے طور پر اُردو اَدب کے افق پر آتے ہیں مگر ان کے اپنے خیالات میں تسلسل اور روانی نہ ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی فراق کی عظمت اور روانی کے معترف بھی ہیں۔ کبھی فراق کو حسن عسکری سے اوّلیت میں رکھا ہے لیکن فاروقی کے ہاں اس چیز کا فقدان ہے جو کہ ان کی اپنی تحریروں میں واضح نظر آتا ہے۔ وہ کبھی ان کو معمولی، اہم شاعر یا کبھی بڑے شاعر کہتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ ان کی اپنی روایت میں تضاد ہے۔ وہ فراق کی شہرت کو مختلف ادوار کے اندر تقسیم کرتے ہیں۔ ان میں کیفیت اور عاشق کا منفرد کردار واضح ہے جو کہ ان کو دیگر غزل گو شعراء سے منفرد کرتا ہے۔ اسکے علاوہ فراق کی مغربی اَدب سے واقفیت بھی انکے لیے کافی مثبت چیز کی حامل ہے۔ ان کی اگر مغربی اَدب سے واقفیت نہ ہوتی تو ان کی غزل میں عاشق پن بھی مختلف ہوتا مگر یہ بھی فراق کا اپنا ایک اسلوب ہے کہ انھوں نے ایک ایسے وقت میں (جب اُردو غزل زوال پذیر ہو رہی تھی) اس تحریک کے زیر اثر اُردو افسانہ کو خاص اہمیت حاصل دی اور اُردو غزل کو نئی زندگی دی یوں ان کا شمار اعلیٰ پائے کے غزل گو شعراء میں ہونے لگا۔ یہی انفرادیت فاروقی کو اچھی لگی اور وہ اپنے اس بیان سے واپس ہٹتے ہیں کہ فراق معمولی شاعر ہیں۔ مغربی اَدب سے آگاہی ان کو دیگر شعراء سے منفرد کرتی ہے۔ ان شعراء میں سب سے زیادہ جو شعراء ملوث ہیں وہ رومانی شعراء ہیں جس کا رنگ انکی غزل میں واضح انداز میں نظر آتا ہے۔ فاروقی فراق گورکھپوری کے بارے میں ملی جلی رائے کا نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ مگر ان کے نزدیک فراق کا کوئی اپنا منفرد اسلوب نہ ہے بلکہ وہ ملی جلی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ کبھی وہ ایک جگہ اور کبھی دوسری جگہ اپنے غزل کے عاشق کو حیران و پریشان چھوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ الغرض فاروقی مکمل طور پر کوئی حتمی رائے نہیں قائم کر پاتے ہیں کیونکہ فراق کے ہاں مختلف رویئے نظر آتے ہیں۔

فراق کی شاعری اگر کوئی باذوق و باخبر قاری پڑھے گا تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ یہ شعر فراق کا ہے کیونکہ فراق کی شاعری میں ربط نظر نہیں آتا۔ فاروقی نے اپنے لحاظ سے بڑے مضبوطی سے فراق کے یہاں حشو وزرائد اور عجز نظم دکھائے ہیں لیکن وہ مکمل طور پر ان کے کمزور پہلوؤں کو واضح نہیں کر سکے ایسے لگتا ہے کہ فاروقی شعری حس میں تعصب کا شکار ہیں۔

فاروقی نثری نظم کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نظم کونسا صنفی یا ہیئتی ضروریات کو پورا کرتی ہے فاروقی نقاد ہونے سے قبل ایک باشعور قاری بھی ہیں۔ وہ ان فن پاروں کا عمیق نگاہ سے مطالعہ کرتے ہوئے اِن فن پاروں کے فنی محاسن پر غیر جانبدرانہ گفتگو کرتے

ہیں۔اس باریک بینی سے ان کا چیزوں کو دیکھنا ان کے لیے ایک خوبصورت مقام رکھتا ہے۔ان کے نزدیک نثری نظم ایک واضح تجربہ ہے کہ جس میں نئے آنے والے لوگوں کو مشورہ دینا ان کا فریضہ ہے۔اس نئے تجربے کو بھی اَدبی نقطہ نظر سے پیش کرنا ان پر فرض ہے۔فاروقی کے نقطہ نظر کے مطابق نثری نظم بہر حال ایک تجربہ ہے۔اس کو خیر مقدم کرنا اور ممکن ہو تو اس تجربہ میں مصروف لوگوں کو مفید مشورے دینا میرا فرض ہے اور میری داخلی ضرورت ہے۔فاروقی دراصل نثری نظم کے مخالف نہیں ہیں۔بلکہ ان کی اَدبی نوک سنوارنے کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔جن کا وہ اظہار کرتے ہیں کہ موجودہ صورت حال اور آنیوالے مستقبل کی صورت حال میں کسی صورت اس کا مخالف نہیں ہوں گا اور یہی وہ ایک لمحہ ہے کہ وہ اس صنف کے نظریاتی اور تاریخی حقائق پر بات کرتے ہیں۔وہ شاعری کو الگ نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں مگر اس کے لیے موضوعیت لازمی ہے۔فاروقی نے خود نثری پیراگراف کی شکل میں ایک نظم "اجگر جوگی ڈومنی اور پیڑ" لکھی جس میں سطر سازی نہیں ہے لیکن موضوعیت ہے۔یہ علم سیکھنا اور اس کو اپنی شاعری میں مکمل طور پر بیان کرنے کے لیے جکڑ بندیوں اور پابندیوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ اس سے گھبراتے ہیں اور اپنے ماضی الضمیر کو بیان کرنے کے لیے نثری نظم کا سہارا لیتے ہیں۔جبکہ تاریخی طور پر نثری نظم یا اُردو کی دیگر اصناف اپنے اپنے ہیئتی مقاصد کو پورا کرتے ہیں چاہے وہ غزل ہو یا پابند نظم ہو یا پھر آزاد نظم ہو۔فاروقی ان چیزوں کو بیان کر کے نثری نظم کی افادیت کو بیان کرتے نظر آتے ہیں۔دیکھا جائے تو سطر سازی نثر کی ضرورت نہ ہے مگر یہ نظم کی ضرورت ہے۔مگر فاروقی نے مختلف زاویوں سے اس کو افسانہ سے اور دیگر نثری اصناف کے قریب تر کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کا انداز بیاں مدلل ہے۔مگر ان کے وہ دلائل کافی حد تک نا قابل بیان اور قابل قبول ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تنقید کے اندر یہ چیزیں کافی حد تک گھل مل جاتی ہیں۔وہ کسی جگہ تائید کرتے ہیں تو اگلے ہی لمحے وہ اس کی تردید کرتے نظر آتے ہیں۔تنقیدی افکار کے اندر وہ اس بارے میں اظہار خیال کرتے نظر آتے ہیں:

> "افسانہ نگاروں سے بہر حال یہ سوال ضرور پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی نثر کو نظم کیوں بنا رہے ہیں۔ے

شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے ان افکار کے ذریعے سے دراصل تخلیقی نثر کے نمونے پیش کر کے معاصر افسانہ نگاروں کو یہ پیغام دیا ہے کہ جو نثر کو نظم بنا رہے ہیں وہ درست نہیں ہے نثر کو نظم نہ بنایا جائے نثر کو اس کی اصل حالت میں رہنے دیا جائے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کو اپنی تنقیدی کاوش "شعر، غیر شعر اور نثر" لکھتے ہوئے ایک کتاب "ہماری شاعری" سے تھوڑا استفادہ کرنے کا موقع ملتا رہا۔جس کے ذریعے سے کتاب کے اندر وہ واضح انداز سے خوبیاں اور خامیاں تلاش کر کے اس کو بیان کرتے ہیں۔وہ مرزا ادیب کی شخصیت کو بھی اعلیٰ لفظوں میں داد و تحسین دیتے ہیں کہ انھوں نے لکھنؤ کے دبستان کے اندر ان شعراء کی تخلیقی کاوشوں کو بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ان کی نزدیک ہماری شاعری نظریہ سازی اور نکتہ تراشی کی عمدہ مثال ہے۔اس کتاب کی اندر شامل جدید نکات، جدید تنقید کے لیے کافی اہم نکات کے حامل ہیں۔انھوں نے انہی وہ فکری و اصلاحی انفرادیت بر قرار رکھی ہے، مگر فاروقی جب ان کی اس کاوش کے اوپر اپنا مضمون قلمبند کرتے ہیں تو ان کو اس کتاب کے اندر کلاسیکی شاعری کو سمجھنے اور ان کو اعلیٰ انداز میں بیان کرنے کی جو جرات ملتی ہے وہ ان کی تنقیدی افکار کی مثال ہے۔

وہ ملے جلے تاثرات کو اپنے مضمون کے اندر بیان کرتے ہیں۔اپنے مضمون "ہماری شاعری" میں مرزا ادیب کی طاقت اور کمزوری کو بیان کرتے ہوئے وہ پروفیسر ادیب کی تنقیدی طاقت دکھاتے ہیں، اور اس کے ساتھ ان کی تنقیدی کمزوریاں بھی ساتھ ساتھ بیان

کرتے ہیں۔ فاروقی کے مطابق پروفیسر ادیب نے تصنیفی اور جامعیت سے کام کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے آج ہمیں ان کی تنقیدی طاقت میں کمزوری نظر آتی ہے۔

فاروقی کہتے ہیں کہ افسانہ کو آپ کوئی صنف شاعری نہیں کہہ سکتے ہیں۔ آج اگر کوئی افسانہ کو صنف شاعری کہتا ہے تو وہ آزاد ہے اور کہہ بھی سکتا ہے کیونکہ کہ اس کے سامنے مثنویوں کے اندر تحریر کیے گئے واقعات ہوں گے۔ لیکن جہاں واقعاتی تناظر ہوں گے وہاں زبان کا تخلیقی تناؤ کم ہو جائے گا۔ اس بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی یوں تحریر کرتے ہیں:

"افسانہ میں کہانی پن کا کوئی براہ راست تعلق واقعات کی تکثیر یا تقصیر سے نہیں ہے۔ یہ مسلہ دراصل اس بات سے ہے کہ افسانے میں افسانوی عنصر کس قدر ہے۔۸

افسانوی عنصر کسی بھی افسانے یا کہانی کے اندر ہوسکتے ہیں۔ مگر ان کے اندر کسی ایسے کردار کی جگہ بھی رہ سکتی ہے، جہاں آپ اپنے آپ کو مکمل طور پر تجریدی اور کردار سازی کو بھی واضح کرواسکتے ہیں۔ اس صنف کے اندر جہاں آپ کو منٹو سے پریم چند اور دیگر افسانہ نگار اپنے اپنے معاشرے کے کرداروں کی بحث کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہیں آپ ان کے ذریعے سے تجریدی کرداروں کو بھی پیش کرنے پر قادر ہیں۔ اس کے علاوہ افسانہ کے اندر زبان و بیان یا مکالمہ کا بھی کافی عمل دخل ہوتا ہے جو کہ اسے مزید مؤثر بناتا ہے۔ اگرچہ افسانہ کے اندر مکالمہ کا عمل دخل کم مگر وحدت تاثر زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے افسانہ کے اندر صنف کا کوئی خاص دخل نہ ہوتا ہے۔ خود کلامی بھی افسانہ نگاری کے اندر بیان ہوتی نظر آتی ہے۔ لیکن فاروقی خود کلامی کے پردے کے وہ سوالات اور بیانات اسمگل نہ کرنا چاہتے ہیں جو کہ قاری کا لازمی حق ہے۔ محمد منصور عالم اپنی تنقیدی ژرف نگاہی (غلط نگاہ ڈالنا) سے اس صنف کے بارے میں فاروقی کا بیان ان الفاظ سے کرتے ہیں:

"اصل بات یہ ہے کہ ہر صنف اپنی جگہ پر مکمل اور نقص سے عاری ہوتی ہے۔"۹

اس بیانیہ میں فاروقی کہتے ہیں کی صنف ہمیشہ اپنی جگہ درست ہوتی ہے لیکن اگر یہاں دیکھا جائے تو تحریری بیانیہ میں اصلی صنف ناول ہے۔ چونکہ اُردو افسانہ اور ناول پر زمانی لحاظ سے مقدم اور حجم کے لحاظ سے عظیم ہے۔ اس لیے اس کے مقابلے میں افسانہ فروع اور چھوٹی صنف ہے۔

فاروقی کا طویل مقالہ "تعبیر کی شرح" شب خون، شمارہ نمبر ۱۷۵ میں شائع ہوا۔ تعبیر اپنے طور پر ایک ایسی سوچ کی حامل اصطلاح ہے کہ اس کو پڑھ کر ہم اپنے ذہن کی طرف جائیں گے جبکہ شرح سے ہم متن کی طرف جاتے ہیں۔ تشریح و تعبیر کیا چیزیں ہیں؟ آپ ان کو پڑھنے کے بعد جواب و متن کی طرف اپنی سوچ کو گھماتے نظر آتے ہیں جبکہ ایسا ہر گز نہ ہے۔ فاروقی نے ان چیزوں کو اپنے متن کے اندر بیان کرنے کی سعی کی ہے اور دلائل کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے ان باتوں کے جوابات دیکھتے ہیں۔ جو کہ ان کے نزدیک قابل قدر ہے اور شاہد پڑھنے والوں کے نزدیک بھی ایسا ہی ہو گا۔ مگر متن اور خواب دو الگ الگ اصطلاح میں ہیں۔

مطالعہ مذہب کا ہو یا پھر اَدب کا، پھر سائنس و ٹیکنالوجی کا یا دوسرے علوم کا جب کہ ہمارے سامنے ان کا متن ہوتا ہے جو کہ اس چیز کو واضح انداز میں آگے کی طرف پہنچاتا ہے اور پھر ہم اس متن کی تشریح و توضیح یا پھر تعبیر کرتے ہیں جبکہ اس کی تعبیر نہیں کرتے ہیں۔ یہی اس کا اعتدال پسندانہ معاملہ ہے جو کہ نقاد کے سامنے ہوتا ہے اور وہ اس کو جیسے چاہتا ہے آگے کی جانب بڑھانے کی سوچتا ہے۔ ان سب کے اندر تفصیلی معنی کا عنصر بڑی قدر منزلت کا حامل ہوتا ہے۔ تعبیر کے لیے انگریزی زبان کے اندر ایک معنی To Interpreter کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جو کہ Interpreter کے معنی سے نکلا ہوا ہے۔ مگر اس کے مختلف معنوں میں کئی معنی نکلتے ہیں۔ فاروقی نے بھی اس کو

شاعری اور نثر کے لیے الگ الگ لفظوں میں استعمال کیا ہے۔شاعری کے لیے خواب، تشریح، تعبیر کا لفظ قابل غور ہے مگر افسانے کے لیے اور نثر کے لیے تعبیر نہیں بلکہ تفسیر یا توضیح کا لفظ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔اس پر غالب اپنے اساتذہ کے لیے جب خطوط لکھتے ہیں تو اس کے اندر بھی وہ وضاحت اور تعبیر کے درمیان سوال وجواب کے متلاشی کے روپ میں نظر آتے ہیں۔جو کہ مرزا کے لیے خاصا مشکل کام ہے۔

اس کی وضاحت جب فاروقی کرتے ہیں تو قرآنی متن اور نثری وشعری متن میں بھی وضاحت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو کہ ان کے نزدیک الگ الگ خصوصیات کے حامی ہیں۔ان کی اپنی الگ الگ شناخت ہے۔تعبیر میں ذاتی صوابدید آخری فیصلہ کرتی ہے اور قرآنی متن اپنی گہرائی،نزاکت اور اَدبی حُسن میں بے مثل وبامثال ہے۔اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ تعبیر کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کی تعبیر وتفسیر کا متقاضی بھی ہے۔

جیسا کہ اگر میر تقی میر اور مرزاغالب کے درمیان اس چیز کا فرق محسوس کروائیں کہ میر بڑا شاعر ہے یا پھر غالب ہے؟یہی وجہ ہے کہ فاروقی کہتے ہیں کہ غالب کے ہوتے ہوئے میر تقی میر کو خدائے سخن کہنا مشکل ہے۔لیکن میر کے ہوتے ہوئے غالب کو بھی خدائے سخن کہنا ممکن نہیں ہے۔حالی اور بجنوری کے قائم کردہ غالب کی نئی تنقید سے کلاسیکی اُردو فارسی شاعری کو جہاں بہت سے نقصانات ہوئے ہیں وہاں اس کے فائدے بھی ہوئے ہیں۔ان کا مطالعہ اُردو کے کلاسیکل شعراء کے حوالے سے مغربی طلباء کرنے لگے۔اس کی بجائے وہ ہندوستانی شاعر رہتے وہ مغربی شاعر بھی بن گئے۔غالب کے بارے میں غوروفکر ہونے لگا،نئے نئے راستے ہاتھ آنے لگے۔

فاروقی اس کشمکش میں میر وغالب کی شاعری کا ایسا باریکی سے تجزیہ کرتے ہیں جس کی اُردو تنقید میں کوئی مثال نہیں ملتی۔یہاں وہ کلیم الدین احمد سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔لیکن ان کے ہاں ایک کسر رہ جاتی ہے کہ انھوں نے کھل کر مرتبے کا تعین نہیں کیا۔شاید وہ جدیدیت کے پیش رو ہونے کا دعوی کرتے رہے اور غالب کو بڑا شاعر کہتے رہے تو پھر میر کے حق میں کیسے ووٹ دے سکتے ہیں۔کلیم الدین احمد نے بھی میر کے مقابلے میں غالب کو بڑا شاعر قرار دیا۔زندگی بھر غالب کے ساتھ جیتے جی زیادتی کی گئی اور مرنے کے بعد آج بھی ہو رہی ہے۔ان کے بڑا شاعر ہونے کے بجائے ان کی بُرائی کی جارہی ہے۔

فاروقی نے جن تنقیدی مضامین میں اپنے تنقید کے جوہر دکھائے ہیں۔ان میں سے ایک ان کا "داستان امیر حمزہ" کے مطالعہ سے ان کا تنقیدی شعور سامنے آتا ہے۔ان کا داستاں امیر حمزہ کو دیکھنے اور پڑھنے کا انداز دیگر سے الگ اور مختلف ہے۔ان کے نزدیک داستان کی شعریات کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ شعریات اَدب اور کائنات کے بارے میں ان تصورات اور معروضات پر مشتمل ایک ایسا مفروضہ ہے کہ داستان اصل میں پڑھنے اور سننے سے تعلق رکھتی ہے۔اس سے جن باتوں کی توقع رکھی جاتی ہے کہ اس کو پڑھنے والے نقاد کس طرح سے ان چیزوں کو دیکھنے اور پیش کرتے ہیں۔یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جو کہ فاروقی کو "داستان امیر حمزہ" الگ طور سے پڑھنے، اس کو دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کا ایک نیا انداز بیان کرتا ہے۔ان کی مشہور زمانہ کتاب "ساحری وشاہی، صاحب قرآنی "کا دوسرا نام " داستاں امیر حمزہ" کا مطالعہ ہے۔اس کتاب کی تین جلدیں ہیں۔ان کے نزدیک داستان اپنے اپنے اندر وہ تمام رنگ ومعنویت رکھے ہوئے ہے جو کہ اس کا خاصہ ہے۔وہ اس کو خوبصورت اور اختصاص سے بھرپور گردانتے ہیں۔اپنی کتاب کے اندر اس چیز کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "جب داستان کی تشکیل کا نظام کافی ڈھیلا، ڈھالہ ہے تو اس کے مختلف وقوعوں اور داستانوں
> میں ربط اور ترتیب بس اتنی ہوگئی کہ بات بالکل الجھ نہ جائے۔داستان کے وضیع زبانی روپ کا

پہلے سے نہ صرف وجود تھا۔ بلکہ یہ بھی کہ شاید مختلف داستاں گویوں نے مختلف داستانوں میں اپنا اپنا اختصاص پیدا کیا ہے۔ اور وہی ان داستانوں کو بیان کرتے نظر آتے ہیں۔"١٠

اس لیے فاروقی اپنے اس مضمون کے اندر جن چیزوں کا تذکرہ کرتے ہیں وہیں کہتے ہیں کہ جہاں جہاں آپ متفق ہوں۔ ان شعروں سے بحث کریں پھر ہمارا اور آپ کا سفر شروع ہوتا جاتا ہے۔ ہر وہ شخص جو فق کی نسبت سے اپنے ہی مسلک اور مذہب سے محبت کرتے ہیں۔ وہ اس سے مزید آگے بڑھ کر اپنے مذہب سے زیادہ اپنے فرقہ یا جماعت سے محبت کرتا ہے۔ انجام کار کا اپنے علاوہ اور کسی سے کوئی محبت نہیں رہ جاتی۔

اس لیے ہم ان مندرجہ بالا باتوں کے نتیجے میں یہ بات کہ سکتے ہیں کہ ہر شخص اپنی پسند کے شعر پر بحث کرتا ہے۔ ہر شخص کے لیے شعر اپنی الگ شناخت، الگ وجود اور الگ معنویت رکھتا ہے۔ فاروقی نے اس بات کو مقدم رکھتے ہوئے شعر اور غیر شعر میں تفریق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کلیم الدین احمد کے بقول:

"شعر وہ ہے کہ جس میں کلام موزوں ہو اس میں اجمال ہوتا ہے۔ اس میں جدلیاتی الفاظ ہوتے ہیں اس میں ابہام ہوتا ہے۔ نثر وہ توضیحی یا تخلیقی ہو۔ وہ موزونیت اور اجمال سے عاری ہوتی ہے۔ جبکہ غیر شعر وہ ہے کہ جس میں موزونیت اور اجمال کے علاوہ نثری خوبیاں بر جستگی، سلاست بندش کی چُستی، بے تکلفی، خوش طبعی، طنز، رعایت لفظی کا پیدا کردہ لطف وغیرہ یا ان میں سے کوئی خوبی ہو۔ اگر وہ ان باتوں کو پہلے بیان کر دیتے۔ تو ان کے بیان کے اندر صفائی اور اجمال جیسی خوبیاں ہوتی اس کے بعد مثالوں سے اپنے خیالات کو منوانے کی کوشش کرے تو مقالے کا اثر ہوتا۔ لیکن ان کے خیالات انکے Arguments کے۔۔۔ ہند سوں میں کھو جاتے ہیں۔"١١

مگر یہاں کلیم الدین احمد کے نظریہ اور انکی تنقید میں بھی واضح فرق ہے۔ وہ بھی اپنی کتاب عملی تنقید کے مقدمہ کو ڈیڑھ، دو سو صفحات پر پھیلا دیتے ہیں۔ انکے مقدمہ میں کہیں کہیں ذیلی عنوانات ہی ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو کہ فاروقی کے ہاں بھی ایک تجربہ بن کر سامنے آتی ہیں۔ وہ بھی اس کتاب کے اندر بے جا دلیلیں دیتے ہیں کہ میری بات صدفی صد درست ہے جو کہ نا قابل ضرورت ہوتی ہیں۔ مگر ان کا انداز اس چیز کا متقاضی نہ ہے۔ قدیم مشرقی تنقید کے متعلق وہ کہتے ہیں:

"قدیم مشرقی تنقید میں شعر کی تعریف یوں کی گئی تھی کی موزوں ہو۔ با معنی ہو اور بالا ارادہ کہا گیا ہو۔ موزویت تو ٹھیک ہے لیکن با معنی ہوا ایک بے معنی شرط ہے۔ جب تک کہ بامعنیت کو چند شعری رسوم کا پابند نہ کیا جائے۔ ہاں اگر بے معنی سے مراد یہ ہے کہ شعر کچھ اس طرح کے خود ساختہ الفاظ کا مجموعہ ہو۔ جن کے انفرادی معنی بھی ہوں۔۔۔ تو کوئی جھگڑا نہیں کہیں بالا رادہ کی شرط نا قابل قبول ہے۔ کیوں کہ یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ لوگوں نے بارادہ، بے ساختہ ارتجالہ خواب میں یا نیم بے ہوشی کے عالم میں یا Trance کا عالم میں بھی شعر کہے ہیں۔ علاوہ بریں کسی شعر کو مخصوص دیکھ کر آپ یہ نہیں کہ سکتے کہ یہ بارادہ کہا گیا ہے کہ بالا ارادہ۔۔۔"١٢

قدیم مشرقی تنقید کے اندر جو باتیں بتائی گئی ہیں۔ ان میں سے فاروقی صرف اور صرف موزونیت کو تسلیم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بالاِرادہ کو وہ تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ شاعری اور نثر میں فرق صرف اور صرف تخیل کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر شعر ہمارے کیفیت اور معروضیت کا حامل نظر آتا ہے۔ گویا یہی بات اس کا ثبوت ہے کہ شعر بے مقصد نہیں کہا گیا ہے۔ بے ساختہ اور فی البدیہہ شعر کہنا ایک اور بات ہے۔ البتہ نیم بے ہوشی Trance کی حالت میں شعر کہنا دوسری صورت ہے۔ یہ صورت پہلی صورت جیسی نہیں ہو سکتی ہے۔ اب شعر کے لیے موضوع کی بھی کوئی تحقیق نہیں ہو سکتی ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ فلاں شعر موزوں ہے، موضوع کے قریب تر ہے، فلاں موضوعات شاعرانہ ہیں، فلاں غیر شاعرانہ اور فلاں شعر میں شاعری نہیں ہے تو وہ غیر شاعرانہ یا شاعری کا حامل نہ ہے۔ اہم ترین موضوع پر کہا جانیوالا شعر اعلیٰ درجے کا بھی ہو سکتا ہے۔ فاروقی کے ہاں ان تمام چیزوں میں مبہم حالات نظر آتے ہیں۔ مگر جب وہ شعر کے لیے مناسب پیمانے تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ تب اک کو حالی کے قریب ترین دیکھا جا سکتا ہے۔ و تخیل ایجاز واختصار اور بلیغ و معنی پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔

اس کے برعکس فاروقی نے اپنے اشعار کے اندر ابہام کی ضرورت پر بھی زور دیا ہے جو کہ انکے نزدیک کافی اہم اور بنیادی ستون ہے۔ کیوں کہ اس کا براہ راست تعلق مضمون کی پیچیدگی اور مضمون کی سادگی سے ہے۔ اگر یہ چیزیں درست نہ ہوں گی تو اشعار اپنی اہمیت کو کھو دیں گے۔ کبھی ان کو اہمیت حاصل رہی اور کبھی ان کو اس طرح کی فوقیت نہ دی گئی۔ یوں شعر ہر بدلتے ہوئے وقت کے مطابق اپنے آپ کو بدلتے رہتے ہیں۔ یہ عنصر لازمی نہ ہے کہ شعر کا وہی مطلب ہے جو کہ شاعر نے مراد لیا ہے۔ شاعر اپنے معانی و مطالب کو بدلتے ہوئے وقت کے عین مطابق بدلنے پر قادر رہتا ہے۔ فاروقی شعر کے اندر ارادہ شعور کے قائل نہ ہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ جب تک کوئی شاعر شعر کہتے وقت پوری طرح اثبات سے قائل یا باخبر نہیں ہوتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، کیوں کہہ رہا ہے تو یہ فرض کرنا غلط ہو گا کہ شعر سے وہی نکات بر آمد ہو سکیں جو کہ شاعر کے شعور میں تھے۔ ان کے نزدیک نکتہ شاعر سے بے نیاز ہو کر شاعر کے شعور کے مقابلے میں نقاد کے شعور کی کارگزاری کا راستہ نظر آتا ہے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ شاعر باخبر ہو۔ دوسرے پر کوئی کلید نہ ہے۔

جہاں دیگر نقاد غزل کو نیم وحشی صنف سے مشابہ قرار دیتے ہیں وہیں فاروقی اس کو خوبصورت اور بامعنی صنف گردانتے ہیں۔ اس صنف کا وہ دیگر زبانوں کی اصناف کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نظم کیا ہے کہ اور انھوں نے تعبیر کی شرح اور دیگر ان تنقیدی کتاب سے دلائل دے کر نظم کو خوبصورت اور بامعنی صنف قرار دلوانے کے لیے دلائل دیئے ہیں۔ ساتھ ہی اس صنف میں سے نقائص بھی پیش کیے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ کہتے نظر آتے ہیں:

> "نظم میں عام طور پر ایک طرح کا ربط اور تسلسل لازمی ہوتا ہے۔ لیکن نظم چونکہ کلام ہے۔ اس لیے یہ ربط اور تسلسل ہر نظم کے ساتھ گھٹیا اور بڑھتا جلد آتا ہے اور اس کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ نظم کے اندر ربط بھی ہوتا ہے اور نہیں بھی ہوتا ہے۔ لیکن نظم کے اندر وحدت ضرور ہوتی ہے۔ غزل کے اندر وحدت بھی نہیں ہوتی اور یہی غزل کی سب سے بڑی مضبوطی ہے۔ ۱۳؎

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ یہی علمی گفتگو کا حاصل حصول ہے۔ اس میں کئی دوراہے بھی ہوتے ہیں اور صاف اور شفاف راستے بھی ہوتے ہیں۔ یہاں کلیم الدین احمد جیسے نقاد بھی ہوتے ہیں اور فاروقی جیسے بھی، جو کہ ہر صنف کی خوبیوں کو سامنے لانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر نظم اپنے بدلتے ہوئے تناظر میں کافی اثر انگیز ہے۔

شعر شور انگیز کے علاوہ شمس الرحمٰن فاروقی کی تمام تر تنقید قیاس آرائی کی جگہ قیاس شکنی پر مستحکم نظر آتی ہے۔ اُردو ادب میں قیاس کی اطاعت ایک ایسا طریقہ تھا جس کی بدولت تحقیق و تنقید میں انحراف کو افزائش کا مکمل موقع فراہم ہوا۔ جس کا ثمر یہ نکلا کہ زبان و ادب میں قدیمی رائے کو اہمیت دی جانے لگی۔

شاعری میں جو مسائل ہیں ان پر شمس الرحمٰن فاروقی کی گہری نظر ہوتی تھی اس لیے انہوں نے اس پر بہت سے مضمون لکھے اور بہت ساری باتیں ایسی کی جسکی وجہ سے شاعری نقادوں کی توجہ کا مرکز بنتی ہے۔ ان کو اُردو ادب کے قاعدوں کی شکایت کا موقع ملتا ہے۔ شعراء کی سوچ عروج کے بارے میں تخلیقی نہیں بلکہ قدامت پسند اور ہمیشہ کے طرح ہے جبکہ مغرب اس بحث سے نکل کر وزن کے سانچوں کی شکست و ریخت کرتا رہا مگر عربی اور ہندی میں وزن اور عروض کی آزادی رہی۔ جبکہ فارسی کے لیے وہی لگے بندھے اصول موجود ہیں اور اس پر سختی بھی اتنی ہی زیادہ ہے جس کی وجہ سے شاعری کی صنف کو بہت نقصان پہنچا۔ اُردو شعر و ادب میں شمس الرحمٰن فاروقی کو مختلف اعتبار سے دوسرے ادیبوں پر فوقیت حاصل ہے۔ وہ ہمہ وقت نقاد، شاعر، ناول نگاری، ترجمہ نگاری اور رسالہ نگاری میں اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے. ان کا پیشتر تصانیف تنقید پر ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقید نگاری کا اولین مضمون ہے جس میں حالی کو نقاش اول کے طور پر منتخب کیا گیا ہے۔ حالی کو اُردو تنقید کے نقاش اوّل کے طور پر یا پھر ٹھہرے پانی میں کنکر کے طور پر قرار دیا جاتا ہے۔ ان پر اعتراضات بھی اُٹھائے گئے کہ انھوں نے یہ تنقیدی نظریات دوسرے مغربی نقادوں سے مستعار لیے ہیں۔ حالی نے بہت سی غلط باتیں کہی ہیں مگر وہ غلط باتیں مؤثر اور مقبول ثابت ہوئیں۔ الطاف حسین حالی نے اُردو کی تذکراتی تنقید کو ایک نئی سمت دی۔ مگر ان تذکروں کی تنقید اور حالی کی تنقید نے اُردو میں کافی نئی چیزوں کو جگہ دی۔ جن لوگوں نے تذکروں کی تنقید کو اہمیت نہ دی انہوں نے حالی کی بھی تنقیدی افکاروں کو کوئی خاطر خواہ توجہ نہ دی ہے۔ مگر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے بطور شاعر عملی تنقید کے نمونے بھی پیش کیے۔ عملی اور نظریاتی تنقید میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مگر پھر بھی حالی کا سخت محاسبہ کیا گیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے حالی کی تنقید کے اُوپر "انداز گفتگو کیا ہے؟" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کے اندر فاروقی کے حالی کے بارے میں نظریات و افکار کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ اس کتاب کے اندر فاروقی نے جن چیزوں پر زیادہ توجہ دی۔ وہ سادگی، اصلیت اور جوش ہے۔ ان تین افکار کے بارے میں بہت زیادہ بات کی گئی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی حالی کے افکار کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "حالی نے نئی شاعری کی عمارت جن بنیادوں پر استوار کی ہے۔ انہیں تخیل، سادگی اور اصلیت کا نام دیا جاسکتا ہے۔"[۱۴]

شمس الرحمٰن فاروقی نے اصل معنوں میں حالی کی نبض پکڑی ہے کہ ان کا لکھنے کا مدعاء مقصد پکڑا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے جن مغربی نقادوں کا حوالہ دیا ہے ان میں ملٹن اور کولرج ہیں۔ ملٹن کے جن نظریات کو شمس الرحمٰن فاروقی نے بیان کیا ہے اور ان کو حالی کی تنقید میں تلاش کیا ہے۔ ان میں فن خطابت یعنی سادگی کا عمل دخل بہت زیادہ ہے۔ جبکہ کولرج کے افکار بھی ان کے ہاں نظر آتے ہیں۔ حالی نے جن افکار کو نئے لباس میں اُردو اَدب کے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ پچاس سال بعد بھی ہمارے معیاری قواعدی اسباب بن گئے۔ کوئی نیا ناقد اپنے افکار اور نظریات سے متاثر کرتا ہوا نظر نہ آیا۔ فاروقی حالی کے اس نظریہ سے کہ ان کے افکار نہ مغربی ہیں نہ جانتے ہیں بلکہ وہ حالی کے اپنے نظریات کو حقیقت سے قریب تر گردانتے ہیں۔ فاروقی نے حالی کی ان تین باتوں یعنی سادگی، اصلیت اور جوش کو

درست گردانا ہے۔ان کی تنقید کو خوبصورت افکار سے تشبیہ دی ہے۔ ملٹن اور کولرج کے نزدیک جن باتوں کو اہمیت دی گئی ہے وہی باتیں حالی کی تنقید کے اندر بھی واضح انداز میں ملتی ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کا تخلیقی، تنقیدی شعور اور ناول کا پوسٹ ماڈرن یانو آبادیاتی نظام کے بعد کا نظام(Postcolonial)فارمولے سے مشروط نہیں۔اس کے باوجود تاریخ اور فکشن کو ایک تیسری اسپیس میں متن کرنا۔انیسویں صدی کے نسائی کرداروں کو پوری چمک دمک، کہیں وجودی اور کہیں غیر وجودی آواز سے ہم کنار کرنا، آب وتاب کے ساتھ پورے کینسوس پر پھیلا دینا، بین التونیت، دوتہذیبوں کے سنجوگ سے ہائبر ڈائزیشن (اختلاط کرنا) اور دوگونیت کی پہلی صورتیں اور خدوخال واضح کرنا، تسلط اور مزاحمت، میٹا فکشن اور ہاپر ٹیکسٹ وغیرہ کو اسلوب کا حصہ بناتے ہوئے کہانی کو ایسے ارتقاء سے پرہیز رکھنا کہ اجزائے ترکیبی خاصہ مشکل کام ہے جو ناول نگار نے اپنے تاریخی، تخلیقی، جمالیاتی اور تنقیدی شعور سے نہ صرف ممکن بلکہ فکشن نگاری میں جنسی تشکیلات اور جنس کی طرف نو آبادیاتی پدرسری (ایسا معاشرہ جہاں والد یا گھر کا کوئی مرد خاندان کی نگہداشت کرتا ہو) اور صارفی نظریات کو موضوع بحث بنایا۔فاروقی کہتے ہیں:

> "داراکے کردار کی اس غلط نمائندگی نے ناول کی تاریخی اور فنی حیثیت بہت کمزور کردی ہے اور ناول کی واقفیت کو خاصا نقصان پہنچ گیا ہے۔یہاں پر یہ سوال اُٹھ سکتا ہے کہ تاریخی ناول یا ڈرامہ کس حد تک تاریخی ہوتا ہے اور تاریخی ناول یا ڈرامے کے پلاٹ میں فرضی واقعات کس حد تک لائے جاسکتے ہیں۔اس لیئے پہلے 'داراشکوہ' کی دوسری تاریخی غلطیوں کی نشاندہی کروں،اس مسلئہ پر اپنے خیالات کی وضاحت ضروری سمجھتاہوں۔"۱۵

فاروقی کے مطابق زندگی کا کینوس اس قدر وسیع اور عظیم الشان اور بکھرا ہوا ہے کہ کسی بھی قسم کا سچافنکار اور خواہ کتنا ہی بڑا اور بکھرا ہوا ہے تخلیق کا حصہ بنانے کا روادار نہیں ہو سکتا۔اس لیے وہ اپنے تخیل کے زور پر اور شخصیت کی رنگارنگی اور فنکاری کی وجہ سے اس حصے یا فن پارے سے ایک نئی دنیا کی تعمیر کرتا ہے۔

تبصرہ نگاری کے عنوان پر شمس الرحمٰن فاروقی نے ایک مضمون بھی لکھا اپنے مضمون میں وہ کچھ کتاب مبصروں کو بھی مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔کیونکہ تبصرے مصنف ہمیشہ اپنی تعریف کے لیے ہی لکھواتے اور اچھا تبصرہ دیکھنے کو نہیں ملتا۔انہوں نے جو تبصرے خود دیکھے وہ اصولی تنقید کے مطابق ہیں قطع نظر اس سے کہ ان کا اصول تنقید ہی اوروں کے لیے کتنا قابل قبول ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تبصرے اشاعت کے لیے رسالوں کے محتاج ہوتے ہیں اور رسالے اپنی پالیسی کے بلمقابل تنقیدی مضامین سے تو مفاہمت کر لیتے ہیں لیکن تبصروں سے نہیں کرتے۔

شمس الرحمٰن فاروقی ایسے نقاد ہیں جن کی تنقید پر لکھنے کے لیے کئی دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ان کی تنقید کو پرکھنا ایک مشکل ترین عمل ہے ایک عام دشواری یہ آتی ہے کہ ان کے اس قدر پھیلے تنقیدی کام کو کن عنوانات کے تحت پرکھا جائے تاکہ ان کے فکری اوصاف کا احاطہ ہو سکے۔فاروقی کی پہلی تنقیدی کتاب "لفظ و معنی"۱۹۶۸ءمیں چھپی تھی جس میں الفاظ و معنی کے تعلق "لفظ" کی اہمیت و معنی کی تشکیل متن سازی اور متن فہمی، متن میں کثرت معنی، مضمون اور معنی میں فرق وغیرہ پر فاروقی کے جدید تر مباحث جو "شعر شور انگیز" میں موجود ہیں ان کے پیش نظر نظریہ معنی پر گفتگو کی گئی ہے۔اس طرح اُن کی کتاب "انداز گفتگو کیا ہے" کے نام ایک باب کا عنوان تو ضرور بنایا گیا ہے۔

الطاف حسین حالی نئی شاعری کی عمارت میں بنیادوں پر استوار کرتے ہیں۔ انہیں تخیل، سادگی، اصلیت اور جوش کا نام دیا جا سکتا ہے۔ فاروقی نے حالی کی نبض پکڑی ہے کہ انہوں نے "مقدمہ" جو لکھا تو ان کا اصل مقصد کیا تھا۔ فاروقی لکھتے ہیں کہ حالی دراصل نئی شاعری کے لیے نئی بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے اگر ان کے مقدمے کے دیگر مباحث کو نظر انداز کر کے صرف ان اصطلاحات کی نوعیت و قیمت کو سمجھ لیا جائے تو حالی کی ناقدانہ حیثیت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اس لیے جو مقدمہ لکھا گیا اس میں ضروری اور ضمنی ہر باب پر گفتگو نہ کر کے صرف انہی اساسی نکتوں کو اٹھایا ہے اور تحقیقی و تقابلی انداز سے بحث کو نیا موڑ دے دیا۔ اس لیے حالی پر تنقیدی ادب میں ان کا مضمون بالکل منفرد ہو گیا ہے۔

فاروقی حالی کی بڑائی کے قائل ہیں انہوں نے کسی نقاد کی غلط یا صحیح تنقیدی باتوں کے مقبول و مؤثر ہو جانے کو اس نقاد کی تنقیدی بڑائی مانا ہے۔ اس مضمون کے سرنامے پر فاروقی کا جملہ قول کی صورت رکھتا ہے۔ فاروقی کہتے ہیں حالی نے جو باتیں اپنے دل سے کہیں ہیں ان میں بعض سچی ہیں۔ ایک جگہ تو فاروقی اپنے مضمون میں حالی کے ایک اقتباس کو آبِ زر سے لکھنے کے قابل بتاتے ہیں افسوس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ مقدمہ کے بیشتر بیانات حالی کے اُس خیال کی نفی کرتے ہیں جس سے حالی کی تنقیدی بڑائی میں فرق نہیں آتا۔ یورپی محققوں کا حوالہ تو حالی نے اس وقت مصلحتاً دیا تھا۔ وہ اپنے ماخذ سے زیادہ آشنا نہ تھے اور ماخذ کے تمام معنوی تناظر جن کی شکل حالی تک آتے آتے اچھی خاصی بدل گئی تھی۔ انہوں نے ایک سہارے اور محرک کے طور پر استعمال کیا اور اپنی فکری بصیرت سے ان میں تغیرات پیدا کر دیئے اور اپنے مشرقی ادبی مزاج و تہذیب میں اس طرح قائم کر دیا کہ وہ ہمارے لیے معیاری بن گئے۔ ملٹن کی ان اصطلاحوں کے پس منظر میں حالی پر سخت تنقید کے باوجود فاروقی کے لحن قول سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے حالی کی تنقیدی حیثیت کا اثبات کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

> "فاروقی حالی کے ایک اقتباس کو" آب زر سے لکھنے کے قابل" بتاتے ہیں لیکن افسوس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ بیشتر بیانات حالی کے خیال کی نفی کرتے ہیں۔ اس سے حالی کی تنقیدی بڑائی میں فرق نہیں آتا۔ اصل یہ ہے کہ یورپی محققوں کا حوالہ تو اس وقت مصلحتاً دیا۔ وہ اپنے ماخذ سے زیادہ آشنا بھی نہ تھے اور ماخذ کے معنوی تناظر کو جن کی شکل حالی تک آتے آتے بدل گئی تھی سمجھ بھی نہ رہے تھے مگر ان کو انھوں نے ایک سہارے اور محرک کے طور پر استعمال کیا اور اپنی فکری بصیرت سے ان میں تغیرات پیدا کر دیئے۔[١٦]

فاروقی صرف ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک ادب کا پورا دبستان فاروقی کے نام سے منسوب ہے۔ آج کے تنقیدی عہد کو فاروقی کا عہد کہا جا سکتا ہے۔ گذشتہ ساٹھ برسوں میں تنقید کی کوئی قابل ذکر بحث ایسی نہیں ملتی جس میں فاروقی کا ذکر نہ ہو۔ چودھری ابن النصیر اپنے مضمون "شمس الرحمٰن فاروقی نئی شعری روایت کا امین" میں لکھتے ہیں۔ بعض شخصیات اپنی زندگی میں ہی عہد اور روایت کا نام پا جاتی ہیں کیونکہ ان کے لازوال کارناموں سے ان کی شخصیت کی تعبیر اسی صورت میں سامنے آتی ہے۔ ایسی شخصیات اپنے ہی عہد میں لیجنڈ کے درجے پر فائز ہو جاتی ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی بھی ایک ایسی ہی شخصیت ہیں جن کے ساتھ ایک مخصوص شعری اور تنقیدی روایت جڑی ہوئی ہے۔ انہیں ادبی لیجنڈ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

شمس الرحمٰن فاروقی کا مقام بحثیت نقاد نہایت وسیع ہے خاص طور پر مغربی ناقدین اور مغربی ادب پر ان کی نظر بہت گہری رہی اس لیے انہوں نے اسلوبیات، صوتیات اور لسانیات کے ہر اس تجربے اور نقطے کو پیش نظر رکھا۔ جس سے ادب کی تشریح اور تفہیم کا ذرا سا بھی گمان تھا۔ ایک عرصہ تک اس رجحان کی اہمیت رہی کہ کسی بھی معروف مغربی نقاد کے مضمون کو سامنے رکھ کر ایسے جملوں کا انتخاب

کیا جائے جو چونکا دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں پھر ان کو علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔ اپنے مضامین میں پیوند لگا دیا جاتا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے مضامین ان تمام نقائص سے پاک ہیں۔ انہوں نے شعر واَدب کے مسائل پر آزادانہ غور کیا اور آزاد نظریے اور سوچ کے ساتھ سوالات اُٹھائے، ان کے تنقیدی نظریات مستعار شدہ ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اُردو شاعری اور نثر میں جو کارنامے سر انجام دیے وہ ناقابل فراموش ہیں۔ ان کے جانے سے اب اُردو ادب کی تنقید کی عمارتا مار تہم خیال پرندے نہیں بیٹھیں گے۔ ان کے چاہنے والے ان کو اب صرف یاد ہی کرتے رہیں گے لیکن وہ اب نہیں آئیں گے۔

فاروقی کی تنقید نگاری منطقی اور مکمل دلائل پر مبنی رہی ہے۔ جس کو بار بار ہر صنف کے لحاظ سے ثابت کیا گیا ہے چاہیے وہ شاعری ہو، افسانہ ہو، ناول ہو یا تنقید نگاری ہو ہر طرح سے ان کی تنقید کو پر کھا گیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کا اُردو ادب کے جدید ناقدین میں مقام متعین کرنے کی کوشش کی جائے تو شمس الرحمٰن فاروقی کا نام سر فہرست آتا ہے۔

خلاصہ:

شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقید ایک گہرے مطالعے سے وجود میں آئی ہے۔ ان کا مطالع سطحی اور تفریحی نہیں ہے۔ انہوں نے ادب کی نبض پکڑنے کی کوشش کی ہے اور بعض جگہ ان کو خاصی کامیابی ملی ہے۔ وہ محض بندھے ٹکے الفاظ اور تنقیدی جملوں پر اکتفا نہں کرتے بلکہ خود ادب پارے کے اور اک سے ان پر جو کیفیات طاری ہوتی ہیں ان کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اُردو تنقید کو انگریزی کی مدد سے مختلف الجہات بنانے کی کوشش کی ہے اور اس طرح اُردو تنقید کے فکری دائرے کو وسیع کرنے اور نت نئے تجربے کرتے رہنے کی ترغیب میں شمس الرحمٰن فاروقی کا بڑا ہاتھ ہے۔ فاروقی کی علمیت اور وسعت مطالعہ حیرت انگیز طور پر کمال کی ہیں ان کی تجزیہ نگاری اور تراکیب کا استعمال اتنا خوبصورت نہ ہوتا تو ان کی تنقید میں استدلال کا وہ الگ اور منفرد انداز پیدا نہ ہوتا جو ہر حقیقت کے حصے، تجزیے کرنے اور حقیقت کے مختلف عناصر کے امتزاج سے ایک نیا مرکب بنانے کی پوری پوری استعداد رکھتا ہے۔ فاروقی کی تنقید نا صرف متاثر کرتی ہے بلکہ پوری طرح قائل کر کے اپنے حصار میں لینے کی اہلیت رکھتی ہے۔ نا صرف حواس کو روشن کرتی ہے بلکہ اس کو متحرک اور آمادہ بھی کرتی نظر آتی ہے۔ فاروقی کی تنقید ادب کے طالب علموں کے لیے تنہا درس گاہ کی حیثیت رکھتی ہے یہ تنقید صرف اُردو تنقید کی تاریخ کو ہی نہیں بلکہ مجموعی ادب اور معاشرتی روایت کو ایک نیا انداز دیتی ہے۔

اُردو ادب میں تنقیدی دابستان کی بات کی جائے تو فاروقی کا مقام ہیتی اور جدید نقاد کی صورت میں منظر عام پر آتا ہے۔ اُردو ادب اور خصوصاً اُردو تنقید شمس الرحمٰن فاروقی کی بیش قیمت خدمات پر ان کی قرض دار ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ اُردو ادب کی کئی ایک اصناف پر وہ طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں بلکہ اس صنف کا حق بھی ادا کرتے ہیں۔ ان کے ادبی کارناموں کی تاریخ تقریباً ساٹھ سالوں پر محیط ہے۔ اسی دوران وہ غزلیں بھی کہتے ہیں، نظمیں بھی لکھیں، ناول اور افسانوں میں بھی طبع آزمائی کی کوشش کی۔ تنقید کو اپنے اوج کمال تک پہنچایا۔ ان کی خدمات کو جہاں زیادہ تر لوگوں نے سراہا وہیں بہت سے لوگوں کی تنقید کا نشانہ بھی ہیں۔ ان پر تنقید کرنے والوں میں لطف الرحمٰن اور وارث علوی کے نام سر فہرست ہیں۔ یہ نا صرف فاروقی پر تنقید کرتے ہیں بلکہ ان کے ہم عصر اور مابعد جدیدیت تنقید کے کرتا دھرتا گوپی چند نارنگ کو بھی نہیں بخشتا۔

شمس الرحمٰن فاروقی تنقیدی لگاؤ کو ذہن کی پیداوار نہیں کہتے بلکہ سنجیدہ علم کا درجہ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں سنجیدہ موضوعات ہوں جیسے سائنس کے موضوعات میں سنجیدگی ہوتی ہے۔ اس میں مصنف کی زندگی کے بارے حالات ونفسیات یا سیاسی اور

معاشی یا سماجی مسائل تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ سب چیزیں اہم ہیں لیکن اس کی اصل بنیاد فن پارہ ہے جس کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے جو کہ اصل بات فاروقی کی تنقید کا دائرہ بہت وسیع ہے وہ تمام ممکن وسائل کو استعمال کرتے ہوئے اس کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ محمد منصور عالم، شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقید نگاری، (بودھ گیا (بہار)، مگدھ یونیورسٹی، نومبر ۲۰۰۷ء)، ص ۵

۲۔ نشاط فاطمہ، جدید اُردو تنقید کا تجزیاتی مطالعہ، (کلکتہ، اثبات و نفی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)، ص ۶۲

۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، انداز گفتگو کیا ہے؟، (نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، بار اوّل ۱۹۹۳ء)، ص ۶۰

۴۔ محمد منصور عالم، شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقید نگاری، (بودھ گیا (بہار)، گلبد ویونیورسٹی، نومبر ۲۰۰۷ء)، ص ۲۷

۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی، انداز گفتگو کیا ہے؟، (نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، بار اوّل ۱۹۹۳ء)، ص ۴۰

۶۔ شمس الرحمٰن فاروقی، انداز گفتگو کیا ہے؟، (نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، بار اوّل ۱۹۹۳ء)، ص ۷۷

۷۔ شمس الرحمٰن فاروقی، تنقیدی افکار، (نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء)، ص ۲۱۶

۸۔ شمس الرحمٰن فاروقی، افسانے کی حمایت میں، (نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، اشاعت اوّل، ۱۹۸۲ء)، ص ۴۰

۹۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ساحری، شاہی، صاحب قرآنی، جلد اوّل، (دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، سن ۱۹۹۹ء)، ص ۱۴۸

۱۰۔ شمس الرحمٰن فاروقی، س، ش، ص، جلد اوّل، (دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، دسمبر ۱۹۹۹ء)، ص ۶۱

۱۱۔ کلیم الدین احمد، اُردو تنقید پر ایک نظر، نیا ایڈیشن، (لکھنؤ، ادارہ فروغ اُردو، بار سوم ۱۹۶۹ء)، ص ۴۵۸

۱۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی، شعر، غیر شعر اور نثر از، (نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نیا ایڈیشن ۲۰۰۵ء)، ص ۲۴

۱۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، تعبیر کی شرح، (نئی دہلی، ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اُردو، اشاعت ۲۰۱۲ء)، ص ۱۲۱

۱۴۔ شمس الرحمٰن فاروقی، انداز گفتگو کیا ہے؟، (نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، بار اوّل ۱۹۹۳ء)، ص ۶۰

۱۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی، فاروقی کے تبصرے، شب خون کتاب گھر، ۳۱۳، رانی منڈی، آلہ آباد، جون ۱۹۶۸ء، ص ۸۲

۱۶۔ محمد منصور عالم، شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقید نگاری، (بودھ گیا (بہار)، گلبد ویونیورسٹی، نومبر ۲۰۰۷ء)، ص ۲۷